مولانا محمد عبد الحق چوہان رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کی مظلوم شخصیات

گزشتہ سال ایک قاری نے خاندانِ بنو امیہ کے بارے میں بعض سوالات ارسال کئے تھے۔ اتفاق سے حضرت مولانا عبد الحق رحمہ اللہ تشریف لائے تو سوالات کی نقل ساتھ لے گئے اور چند روز بعد جواب ارسال فرمادیا۔ مسودہ کاغذات میں ادھر ادھر ہو گیا اور شائع نہ ہو سکا۔ آج مولانا ہم میں موجود نہیں مگر ان کی یہ غیر مطبوعہ یادگار تحریر ہمارے قلوب و اذہان کو منور کر رہی ہے۔ مولانا کی یہ انتہائی تحقیقی کاوش نذرِ قارئین ہے (مدیر)

اس وقت چند سوالات ہمارے پیش نظر ہیں جن میں حضرت ابو سفیان صخر بن حرب اموی، ان کی زوجہ محترمہ سیدہ ہند بن عتبہ اور ان کے فرزند سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم کو موردِ طعن قرار دیا گیا ہے۔ ان سوالات کا ماخذ تاریخ کی وہ روایات ہیں جو کہ ایک خاص نتیجہ فکر کی عکاس ہیں۔

حضرت ابو سفیان اور ان کی زوجہ محترمہ کا شمار اگرچہ "السابقون الاوّلون" میں نہیں لیکن اس وجہ سے ان کی صحابیت کا انکار تو لازم نہیں آتا کیونکہ صحابہ کرام کے مختلف طبقات ہیں۔ "السابقون الاولون" ایک طبقہ کا عنوان ہے۔ حضرت ابو سفیان کے شرف صحابیت کی اہمیت اس وجہ سے کم نہیں کی جاسکتی کہ وہ فتح مکہ تک اسلام کے مخالف رہے کیونکہ اس معاملہ میں وہ تنہا نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی کئی ایسے صحابہ ہیں جو کہ فتح مکہ تک اسلام کے مخالف رہے۔ مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو، اور نبی کریم ﷺ کے عم زاد برادر سیدنا ابو سفیان مغیرہ بن حارث ہاشمی .... ان کے علاوہ کئی صحابہ ہیں جو فتح مکہ کے بعد شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اگر اسلام میں عدم اخلاص کی یہی وجہ ہے تو پھر ۹ھ میں جو عرب کے وفود بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے؟

فتح مکہ سے قبل قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوئی جس میں مکہ کے قریش کے متعلق پیش گوئی کی گئی کہ عنقریب وہ مسلمان ہو کر تمہارے دوست بن جائیں گے۔ وہ آیت یہ ہے

"عسى الله ان يجعل بينكم و بين الذين عاديتم منهم موده"

ترجمہ: عنقریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کر دے دوستی تم میں اور ان میں جو تمہارے دشمن ہیں۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے والے افراد اور بعد والے افراد کے لئے بشارت ہے۔ اب اگر ان سبائی روایات پر اعتماد کر کے حضرت ابوسفیان کو غیر مخلص کہا جائے تو پھر قرآن مجید کی اس پیش گوئی کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جو کہ عقلاً محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلص مومن اور منافق کے امتیاز کے لئے قرآن مجید میں جو معیار قائم کیا ہے اس کے مطابق بھی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ مخلص مومن ہیں۔ سورۃ توبہ جس میں منافقین کی حالات کا بیان ہے اس میں بطور معیار کے یہ آیت ہے۔

"لایستاذ نک الذین یومنون باالله و الیوم الآخر ان یجاھد وابامولھم و انفسھم واللہ علیم باالمتقین "

ترجمہ: نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اس سے کہ جہاد کریں اپنے اموال اور جان سے اور اللہ تعالیٰ متقین کو خوب جانتے ہیں۔

انما یستاذنک الذین لہ یومنون باللہ والیوم الآخر

ترجمہ: رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر۔ قرآن کی ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد سے غفلت اختیار کرنا نفاق کی علامت ہے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ جہاد میں مصروف رہے۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں شریک ہوئے پھر اسکے بعد محاصرہ طائف میں شریک ہوئے۔ اسی محاصرہ کے دوران دشمن کی جانب سے ایک تیر آیا اور ان کی آنکھ پر آکر لگا جس سے ان کی آنکھ چشم خانہ سے نکل کر رخسار پر آگئی یہ اسی حال میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے ۔سرور کائنات ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھ کر ارشاد فرمایا اگر کھو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں آنکھ صحیح سالم ہوجائیگی اور اگر صبر کرو تو جنت ہے۔ ارشاد نبوی سن کر یہ اپنی تکلیف بھول گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے جنت چاہیئے اور پھر خود ہی آنکھ کے ڈھیلے کو کاٹ کر پھینک دیا۔ کیا جنت کی بشارت منافقین کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ اور کیا اس طرح کے ایثار کی توقع منافق سے بھی ہو سکتی ہے؟

محاصرہ طائف کے بعد نبی کریم ﷺ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور ابو سفیانؓ کو مشرکین کے ایک صنم خانہ کے انہدام پر مامور کیا اور انہوں نے کامیابی سے یہ خدمت سرانجام دی اور پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت صدیقی میں شام کی جانب جب لشکر اسلامی روانہ کیے گئے۔ ابو سفیان کا پورا گھرانہ شام کے جہاد کے لئے روانہ ہوگیا۔ جنگ یرموک میں یہ اس دستہ فوج میں شریک تھے جو ان کے فرزند گرامی قدر سیدنا یزید الخیر کے زیر قیادت تھا۔ اس جنگ میں رومیوں کا لشکر تقریباً تین لاکھ تھا۔ اور مسلمانوں کی تعداد کل چالیس ہزار تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے سامنے یہ تقریر کی۔

مسلمان! تم دشمن کے ملک میں ہو اور وطن سے بہت دور۔ دشمن تم سے تعداد میں بہت زیادہ ہے اور تم کو صفحہ ہستی سے مٹادینا چاہتا ہے۔ لیکن فتح و شکست کا انحصار نہ تعداد پر ہے نہ کسی کے غیظ و غضب پر تم لوگ عرب کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو اللہ پر بھروسہ کرکے کمر ہمت باندھ لو اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہو ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت حق تم پر بارش کی طرح برسے گی۔

اور دوران جنگ پر سوز آواز میں یہ دعا مانگتے رہنا۔

"اے نصرت خداوندی جلد آ"۔ اسی جنگ میں ان کی دوسری آنکھ بھی راہ حق میں شہید ہوگئی اور یہ مجاہد اسلام ۳۴ھ میں دنیائے فانی سے انتقال کرگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت معاویہؓ کے اسلام کے متعلق یہ عرض ہے کہ تاریخی روایات اس کے متعلق مختلف ہیں -حدیث کی امہات الکتب صحاحِ ستہ میں کتاب الحج میں حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے یہ روایت ہے کہ

قال ابن عباس قال لی معاویہ اعلمت انی قد قصرت من رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عند المروۃ بمشقص

ترجمہ:اے ابن عباس کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بال تیر کے بھالے سے مروہ کے پاس کاٹے

اس روایت کے محمل اور مصداق میں کئی احتمال ہیں - یا تو حجۃ الوداع کاواقعہ ہے یا عمرۃ القضا کا یا عمرۂ جعرانہ کا جو نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد ادا کیا تھا- یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تو نہیں بن سکتا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں حلق کرایا ہے قصر نہیں اور وہ بھی منیٰ میں - اور عمرہ جعرانہ کا بھی نہیں اس لئے کہ آپ کا یہ عمرہ مخفی طریق پر ہوا- عام صحابہ کو اسکی اطلاع نہیں ہوئی - یہ عمرہ آپ نے عشاء کی نماز کے بعد اور فجر سے پہلے ادا کیا تھا- اس عمرہ میں آپ کے ہمراہ چند خواص تھے- اس لئے لازماً یہ عمرۃ القضاء کاواقعہ ہے جو کہ ۷ھ کو ہوا- اس سے ثابت ہوا کہ ۷ھ میں حضرت معاویہؓ شرف اسلام سے مشرف ہو چکے تھے- اوراس وقت عام قریش جو کہ کفر کی حالت میں تھے مکہ سے باہر چلے گئے تھے- حضرت معاویہؓ کا عام کفار کی طرح مکہ سے باہر نہ جانا بلکہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ طرز عمل نبی کریم ﷺ کی اجازت سے تھا جب کہ سیدنا عباسؓ کا طرز عمل تھا کہ وہ بھی بہت پہلے اسلام لا چکے تھے لیکن آپ ﷺ کی اجازت سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ سے کئی دن پہلے اسکا اظہار کیا تھا-سیدنا معاویہؓ تاریخ کی وہ مظلوم شخصیت ہیں کہ جن کے ہر عمل و کردار کو مورد اعتراض قرار دیا گیا ہے- لباس خوراک نشست و برخاست اور خلافت- حالانکہ حضرت معاویہ وہ خلیفہ راشد ہیں کہ جن کے دور خلافت و امارت میں اسلامی مملکت نے بہت ہی ترقی کی اور اسلامی سلطنت کے دائرہ میں بہت ہی وسعت حاصل ہوئی -اسلامی بحریہ کی بنیاد کا سہرا بھی انہیں حاصل ہے-اس وقت ہمارے سامنے جو سوالات ہیں ان میں بھی یہی کیفیت ہے- حضرت معاویہ کے والد سیدنا ابوسفیان کے مخلص مسلمان ہونے کا انکار، ان کی والدہ محترمہ سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا پر اعتراض اور پھر ان کی ذات پر اعتراض، حتیٰ کہ ان کے لباس اور خوارک پر اعتراضات ہیں - اس وقت ہمارا روئے سخن اس اعتراض کی جانب ہے جو ان پر یزید کی ولی عہدی کی وجہ سے ہے-

حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کی وسعت کچھ اس طرح تھی- بخارا سے لیکر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگین تھے اور بقول بعض مورخین کے خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لیکر یمن تک یہ سب ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے-ظاہر ہے اتنی وسیع سلطنت کے نظم و انتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی - حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد مسلمانوں کی باہمی خوں ریزی کے ہولناک

مناظر حضرت معاویہؓ کے سامنے تھے۔ خود ان کی کوشش اور سیدنا حسنؓ کے حسن تدبر اور مصالحت جوئی کے باعث مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ اور پھر دوبارہ اسلامی فتوحات کا آغاز ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے اسی صورتحال کے پیش نظر یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی زندگی میں ہی آنے والے خطرات کی پیش بندی کرنے کے لئے اس کا انتظام کر جائیں اور اسی ضرورت کے تحت انہوں نے مختلف بلاد سے آنے والے وفود سے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور بحث و تمحیص کے بعد آخر یہی طے پایا کہ یزید کو ہی ولی عہد نامزد کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت کے حالات اسی عمل کے متقاضی تھے۔ اس لئے کہ اگر یزید کو نامزد نہ کیا جاتا تو پھر انتشار و انشقاق کا خطرہ تھا۔ اس ملی ضرورت اور حیات اجتماعی کو برقرار رکھنے کے لئے سیدنا معاویہؓ نے یہ اقدام کیا۔ حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کے زمانہ کے متعلق مورخین کے مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک اسکا زمانہ ۵۰ھ کا ہے اور بقول بعض کے یہ ۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ بہر کیف جو صورت حال بھی ہو یہ زمانہ صحابہ اور اکابر تابعین کا ہے۔ کیونکہ صحابہ کے زمانہ کا اختتام ایک روایت کے مطابق ۱۰۳ھ ہے اور ایک روایت کے مطابق ۱۱۰ھ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت صحابہ کی تعداد کثرت کے ساتھ ہوگی سوائے چار صحابہ کے کسی صحابی اور تابعی نے حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا اور پھر ان چار میں سے دو حضرات نے بھی بیعت کر لی۔ اور حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر صحابہ کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل درجۂ جواز میں ہے کیونکہ شرعی احکام کا علم اور اس وقت کے حالات کو بعد والے لوگوں سے وہ زیادہ جانتے تھے۔ اس لئے ان کے فیصلہ کو بعد میں آنے والے لوگوں کی رائے پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جو لوگ حضرت معاویہؓ کے اس عمل پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا؟ کوئی نص شرعی ایسی موجود ہے جس میں ثابت ہوتا ہو کہ خلیفہ اپنی زندگی میں اپنے بعد خلیفہ ہونے کے لئے کسی شخص کو مقرر نہیں کرسکتا۔ جبکہ صحابہ کا عمل اس نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ خلیفہ اوّل بلافصلِ رسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں ہی سیدنا عمرؓ کو اپنی خلافت کے لئے نامزد کیا تھا اور کسی صحابی نے بھی ان کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ گویا خلافت کے لئے ولایت عہد کی نامزدگی کا جواز صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔ ان معترضین حضرات سے دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کے عدم جواز پر کوئی شرعی نص پیش کی جائے۔ جبکہ اس معاملہ میں بھی صحابہ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ سیدنا عمرؓ کی زندگی کے آخری ایام میں جب صحابہ کو ان کے بعد خلافت کے متعلق تشویش ہوئی تو بعض حضرات نے یہ رائے دی کہ آپ اپنے بعد خلافت کے لئے اپنے فرزند عبداللہ کو نامزد کر جائیں۔ اگر یہ نامزدگی ناجائز ہوتی پہلے تو یہ رائے بھی پیش نہ ہوتی اور اگر بالفرض یہ اس رائے پیش کرنے والے کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا تو حاضر صحابہ میں سے کوئی صحابی کہتا کہ بھائی تم یہ کیسی رائے پیش کر رہے ہو کہ جس پر عمل کرنا شرعاً ناجائز ہے اور خود حضرت عمرؓ اسکی رائے کو رد کرتے لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری یہ تجویز شرعی قانون کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ بلکہ آپ نے جواباً یہ فرمایا۔

"اگر یہ خلافت اچھی چیز ہے تو یہ ہمیں حاصل ہو چکی اور اگر بری ہے تو یہی کافی ہے کہ اسکے

نتیجے میں صرف میں ہی محسوب ہوں اور امت محمدیہ کے امور کی جواب دہی صرف مجھ تک ہی محدود رہے۔ میں اپنے خاندان کو اس مصیبت میں پھنسانا نہیں چاہتا"۔

ایک ایسا عمل کہ جسکے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں اور صحابہ کے عمل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہو اگر یہی عمل حضرت معاویہؓ نے سرانجام دیا ہو تو ان کو اسی عمل کے باعث مورد طعن قرار دینا قرین انصاف نہیں۔ پھر اس سوال کی دوسری شق میں حضرت معاویہؓ کو ان کے لباس کے باعث مورد طعن قرار دیا گیا ہے۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لباس کے متعلق کتب تاریخ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کے جسم پر پیوند شدہ لباس ہوتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ والے واقعہ میں جس نوعیت کے لباس کا تذکرہ ہے وہ بھی ثابت ہے۔ لیکن جب سیدنا عمرؓ حضرت معاویہؓ کے جواب پر خاموش ہوگئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے جواب کو صحیح تسلیم کیا اور نہ حضرت عمرؓ کے متعلق تسامح کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جب اصل معترض نے جواب کو صحیح تسلیم کیا تو پھر اسکے بعد کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ کہے کہ "یہ عذر ناقابل قبول ہے"۔

ایک سوال میں حضرت معاویہؓ کی مہمان نوازی اور ان کے دستر خوان کی وسعت کو بھی مورد طعن قرار دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون اسلام میں کفالت عامہ کی ایک شق ہے اسی مد میں بیت المال سے وظائف کا اجراء کیا جاتا ہے اور باقی رہا ان کی مہمان نوازی وہ ان کے ذاتی مال سے ہوتی تھی وہ کوئی موجودہ زمانہ کے حکمران نہیں تھے کہ ملکی خزانہ کو ذاتی ملکیت تصور کریں۔ حضرت معاویہؓ نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر بااعتماد صحابی ہیں ان کے متعلق خیانت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خداوند قدوس نے صحابہ کرامؓ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں ان اوصاف کے حامل سے خیانت نہیں ہو سکتی وہ تو اس قدر ایثار پیشہ تھے کہ زندگی کے آخری ایام میں اپنی ذاتی جائداد کا نصف حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تھا۔

ایک سوال میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے اختلاف کا تذکرہ ہے اور اس سوال میں یہ کہا گیا ہے۔ ان کی باہمی عداوت اور دشمنی جو چالیس جنگوں پر محیط ہے، حتیٰ کہ خطبوں میں طعن و تشنیع بلکہ لعنت و ملامت تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف کوئی ذاتی عداوت پر مبنی نہیں تھا بلکہ ایک اجتہادی امر میں ان کا اختلاف تھا اور ان جنگوں کی تعداد بیان کرنے میں بھی مبالغہ آمیزی ہے اور لعن طعن کے بیان میں سبائی ذہن کے اختراع کردہ روایات کی کارفرمائی ہے۔ کیونکہ لعن و طعن کی روایات کے متعلق ناقدین فن کا یہ فیصلہ ہے۔

واما اخبار اللعن فمن اکاذیب التاریخ لانہ لم یقل احد المخاصمین بکفر الاخر حتی یجوزلہ لعنہ بل یعتقد انہ مومن (اتمام الوفاء ص ۲۵۹)

ترجمہ: ان صحابہ کا ایک دوسرے پر لعن کرنے کی روایات یہ مؤرخین کی جھوٹی روایات ہیں کیونکہ ان

دونوں جماعتوں میں سے کوئی بھی دوسرے مخالف گروپ کو کافر نہیں سمجھتا تھا تاکہ اس پر لعنت کرنے کو جائز سمجھتا ہو بلکہ ہر ایک دوسرے کے متعلق یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ وہ مومن ہے

اور جن روایات سے ہمارے معترضین حضرات متاثر ہیں اس طرح کی روایت بیان کرنے والے مؤرخین کے متعلق بطریق تحزیر کے یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔

وایاکم و دجالین و کذابین من المؤرخین قضت علیهم ظروف زمنهم ان یقبلو الحقائق و یکذبو اعلی لله و علی الله الامت الاسلامیه فینسبون الاقبائح لاصحاب رسول اللهؐ (اتمام الوفاء ص ۲۵۹)

ترجمہ:- تم اپنے آپ کو ان دجال صفت اور جھوٹے مؤرخین سے بچاؤ جو کہ اپنے زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر حقائق کے خلاف روایات بیان کرتے ہیں اور ان روایات میں اللہ تعالیٰ اور امت اسلامیہ کی جانب کذب بیانی کر کے صحابہ کرامؓ کی جانب قبیح کردار کی نسبت کرتے ہیں۔

باقی رہا صحابہ کرام کے اس اختلاف اور اجتہادی اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس اختلاف کا فیصلہ پیغمبر ﷺ نے خود ہی پیشگی فرما دیا ہے۔ ایک حدیث ہے کہ

عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللهؐ یقول سئلت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاولی الی یا محمدؐ ان اصحابک عندی بمنزلته النجوم فی السماء قویٰ من بعض ولکل نور،فمن احذ بشییٔ ماہم علیه من اختلافهم فهو عندی علیٰ ہدیٰ (مشکوة باب مناقب الصحابته ص ۵۵۴ ج ۲)

ترجمہ:- حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے بعد ظاہر ہونے والے صحابہؓ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی نازل کی اور فرمایا کہ اے محمد ﷺ تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ بعض ستارے روشنی کے لحاظ سے بعض ستاروں سے قوی ہیں لیکن نور ہر ایک میں موجود ہے۔ جو شخص بھی ان کے اختلافی امور میں جنکی اقتداء کرے گا وہ شخص میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے اختلاف کی نوعیت عام مجتہدین کے اختلاف کی طرح نہیں۔ بلکہ ان کے اختلاف میں اصابت حق کا نور دونوں جانب میں موجود ہے البتہ اسکی کیفیت میں فرق ہے بعض میں زیادہ اور بعض میں کم لیکن ہے دونوں جانب میں نور۔ اس لئے اس حدیث کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں حضرات مصیب ہیں۔

ایک سوال میں سیدنا معاویہؓ کی والدہ سیدہ ہند پر اعتراض ہے کہ انہوں نے ایک میت کا کلیجہ نکال کر چبایا اس درندگی کے باوجود ایسی خاتون کے نام کے ساتھ "سیدہ" لکھنا کہاں تک مناسب ہے؟ معذرت کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ اس خاتون کا صحیح نام "ہند" ہے نہیں اور پھر جس فعل کی نسبت ان کی جانب کی گئی ہے ان

کا وہ فعل دور کفر کا ہے اور شریعت کا قانون ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "الاسلام یہدم ما کان قبلہ" یعنی اسلام لانے کے باعث زمانہ کفر کے پہلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ خاتون مشرف بہ اسلام نہ ہوتیں پھر اگر کوئی شخص ان کے نام کے ساتھ لفظ "سیدہ" تحریر کرتا تو پھر واقعی اس شخص کا یہ عمل قابل مذمت ہوتا۔ پھر ان کے مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی ہے وہ سبائی نظریہ کی تکذیب کرتی ہے اور یہ گفتگو حدیث کی امہات الکتب صحاح ستہ میں موجود ہے۔

ہند۔۔۔۔۔۔ یا رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا لیکن آج حضور ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب و محترم نہیں۔

نبی کریم ﷺ میرے نزدیک بھی یہی صورت حال ہے۔ پھر سوالات کے آخر میں یہ فقرہ نصیحت آمیز ہے۔ کتابوں کے حوالوں سے قطع نظر کیونکہ ہر کتاب اپنے مصنف کے رجحان طبع کی عکاس ہوتی ہے۔ اس نصیحت آموز فقرہ کے بعد ان سوالات کے جوابدہی کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جب کتابوں کے حوالہ جات اور ان کی روایات کی وجہ سے جواب میں مصنف کے رجحان طبع کے عکس ہونے کا خطرہ ہے اور اسی باعث جواب صحیح نہیں رہتا تو ان سوالات کے متعلق یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام سوالات کا مرجع و ماخذ تاریخ کی وہ روایات ہیں کہ جن میں ایک خاص نظریہ اور نتیجہ کی عکاسی ہے۔

بقیہ از ص ۱۶

بوسہ دینے سے گریزاں کیوں ہو　　اس کی داڑھی ہے کوئی خار مغیلاں تو نہیں!

آزاد کشمیر کے ٹن وزیر صحت سردار اصغر آفندی نے سر عام پیشاب کر دیا۔ (ایک خبر)

* اصغر آفندی فلم "انسان اور گدھا" دیکھیں

نواز شریف کے مستعفی ہوئے بغیر اندھیرے ختم نہیں ہوں گے۔ (راؤ سکندر)

* اکھوں انہاتے ناں نور دین

کالے دولہا کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ بارات دلہن کے بغیر لوٹ آئی۔ (ایک خبر)

* ایمکس کریم استعمال نہ کرنے کا شاخسانہ

لغاری ایوان صدر سے رخصت ہو گئے۔ کوئی الوداع کہنے نہ آیا۔ (ایک خبر)

* بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے!

محمد رفیق تارڑ صدر مملکت منتخب ہو گئے (اخبارات کی شہ سرخی)

* ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا